حکیم عبدالسلام ہزاروی

انہوں نے سرحد کو تحریک آزادی کا مرکز بنادیا

ہزارہ بلاشبہ برصغیر کا ایک مردم خیز علاقہ ہے۔ یہاں سے نہ صرف وقیع اور جید علماء، محدثین، فقہاء دانش وروں اور صاحبان کشف و کرامت بزرگوں نے جنم لیا بلکہ اس دھرتی سے تحریک آزادیٔ وطن کے جاں نثاروں کا بھی چولی دامن کا ساتھ رہا ہے جن کا شعور برصغیر پاک وہند میں پھیلا ہوا ہے۔

ایسی ہی ہستیوں میں ایک حکیم عبدالسلام ہزاروی بھی تھے۔ وہ ایک متوسط مگر علمی و دینی اعتبار سے معروف، اعوان خاندان میں موضع سیر پور متصل ہری پور میں پیدا ہوئے۔ ان کے عالم دین والد نے ان کی تعلیم و تربیت کا بیڑہ اٹھایا مگر قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ یوں وہ ناگہانی طور پر سایہ پدری سے محروم ہو کر تحصیل علم اور تلاش معاش کے لئے گھر بار کو نوعمری میں ہی خیر باد کہنے پر مجبور ہوگئے۔ انہوں نے متعدد درس گاہوں اور خانقاہوں سے فیض یاب ہونے اور متفرق چشمہ ہائے علوم و عرفان سے سیریاب ہونے کے بعد طب کی تعلیم کی طرف توجہ دی اور حکیم اجمل خان اور مفتی سلیم اللہ خان جیسے ثقہ حکما کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

حکیم صاحب کی نوجوانی کا ہی عہد تھا کہ جنگ آزادی کی لہروں نے برصغیر پاک وہند کو پوری شدت سے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یوں تو بیسویں صدی آزادیٔ حریت فکر و عمل اور انقلاب کی فضاؤں کے آغوش میں آئی مگر جنگ عظیم اوّل کی آمد نے اس کو مہمیز دی۔ برصغیر میں خونچکاں جلیانوالہ باغ کا حادثہ اس کا حرف اوّل ثابت ہوا۔ حکیم صاحب کی سیاسی زندگی کا نقطۂ آغاز بالعموم تحریک خلافت تھی جو ان کے عنفوانِ شباب کا بھی عہد تھا۔ جنگ آزادی کے ایک نامور کارکن خان غازی کابلی مرحوم نے حکیم صاحب کی رحلت کے موقع پر ایک دلچسپ مضمون تحریر کیا جو ملک کے متعدد جرائد و رسائل کی زینت بنا۔ یہ خان غازی کابلی عبوری حکومت ہند بمقام کابل کے صدر اور وزیراعظم راجہ مہندر پرتاپ اور مولانا عبیداللہ سندھی کے خفیہ پیغام رساں کے طور پر دوسری دہائی کے آخر کابل میں اور ہندوستان کے متعدد مقامات کے دوروں کے سلسلے میں ایک خاص اہمیت اور مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ "ہری پور میں ان کی ملاقات ایک نوجوان سے ہوئی جسے ان کے مشن اور متعلقہ امور و حالات سے مکمل آگاہی تھی" اور انہوں نے اس نوجوان کی جسے بعد میں ان کے بقول حکیم عبدالسلام ہزاروی کے طور پر معروف ہونا تھا کے حسن اخلاق اور مہمان نوازی کی بھرپور داد دی ہے۔ حکیم صاحب نے ۱۹۲۶ء میں صحافت کی پرخار وادی میں قدم رکھا اور راولپنڈی سے رسالہ "مجاہد" کا اجرا کیا یہ یقیناً ان کے جوش و جذبہ آزادی کے لیئے تڑپ اور برطانوی استعمار سے نفرت کا شاہکار تھا مگر پابندیوں

اور قید و بند کی صعوبتوں نے اس راہ میں رکاوٹیں حائل کردیں۔ ۱۹۲۷ء میں انہوں نے ہری پور میں اپنے مطب کا اجراء کیا اور اسی سال انہی کے دوا خانے میں آل انڈیا کانگریس ہزارہ برانچ کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۹۲۸ء میں وہ ضلع ہزارہ کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔ اپنی جاذب و پُروقار شخصیت اور خوبیوں کی بدولت وہ جلد ہی صوبہ سرحد کانگریس کے صدر اور آل انڈیا کانگریس ورکنگ کمیٹی کے رکن چن لئے گئے۔ یوں ان کے خلوص، محنت لگن، جاذب شخصیت، سیاسی سوجھ بوجھ، عزت نفس، جدوجہد اور عزم وارادہ کی بدولت قومی سیاست پر ایک اور ستارہ طلوع ہوا۔

برطانوی نو آبادیاتی نظام کے خلاف ان کی جدوجہد روز افزوں ترقی کی منازل طے کرتی رہی یہاں تک کہ انہوں نے انگریز کے خلاف جدوجہد میں معاون کی حیثیت اختیار کرلی۔ انہیں بار بار قید و بند کی صعوبتوں سے گزرنا پڑا مگر ان کے عزم، ارادے، جدوجہد اور عمل و استقامت میں کوئی جھول اور لغزش نہ آئی۔

ایک وقت وہ بھی آیا کہ کانگریس کی پالیسیوں سے اختلاف اور احتجاج کے طور پر اپنے رفقائے کار بشمول سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا ظفر علی خان، مولانا مظہر علی اظہر، غازی عبدالرحمان و عبدالرحیم کی معیت میں اس پلیٹ فارم سے علیحدگی اختیار کرلی اور مجلس احرار اسلام کا پرچم تھام لیا۔ مقصد جنگ آزادی تھا۔ جماعت کی تبدیلی ایک اصولی معاملہ تھا۔ یوں وہ ایک عرصہ تک مجلس احرار اسلام صوبہ سرحد کے امیر کے طور پر مصروف جدوجہد رہے۔ اس سلسلے میں علاقے میں جنگ آزادی کو مہمیز دینے کے لئے انہوں نے ہری پور میں آل انڈیا احرار تبلیغ کانفرنس کا اہتمام کیا جس میں ہندوستان کے طول و عرض سے سیاسی رہنماؤں، علمائے دین اور آزادی کے پروانوں نے شرکت کی۔ یوں سرحد کی مساجد، خانقاہیں اور مدرسے احرار لیڈروں کی شعلہ بیانیوں اور افکار و خیالات سے گونج اٹھے۔ ان سب کی مساعی اور تقاریر و تحاریک کا مرکزی نقطہ تھا آزادی اور برطانوی استعمار سے نجات۔

تقسیم برصغیر کے بعد مجلس احرار اسلام کی مجموعی پالیسی کے مطابق جب جماعت کو باضابطہ طور پر سیاسیات سے الگ کردیا گیا اور ساتھیوں کو اپنے اپنے مخصوص حالات کے مطابق لائحہ عمل اختیار کرنے کا اذن ہوا تو حکیم صاحب نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرلی مگر خان عبدالقیوم خان کی مسلم لیگی سیاست ان کو بھا نہ سکی اور وہ جلد ہی اس سے مایوس ہوگئے۔ بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ قیام پاکستان کے بعد کی سیاسیات سے ان کا دل کھٹا ہوگیا اور انتخابی سیاست کی ناہمواریوں سے وہ مکمل طور پر مایوس ہو کر ایک حد تک گوشہ نشین ہوگئے مگر ان کا پس منظر چونکہ دینی و علمی تھا۔ اور حریت فکر کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا اس لئے استعمار سے نفرت اور خاتم الانبیاء ﷺ کی ذات اقدس سے عقیدت ان کے ایمان کے علاوہ مزاج اور شخصیت کا جزو بن چکی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں بھرپور حصہ لیا۔

(بشکریہ ماہنامہ قومی صحت، لاہور مارچ ۱۹۹۵ء)